

ساری زندگی یورپ میں گزارنے والی گزاری پر بھتی — بتائیئے ہاں کون یاد آ رہے ہے؟

بولٹے —

”کچھ بھی نہیں سارا۔“

میں نے گلکے بعد زندگی میں پہلی بار کسی عورت کو قریب سے دیکھا تھا۔ جب میں نے سارے شادی کی قویہ ایک بڑیں میں کی شادی تھی لیکن رفتہ رفتہ، آہستہ آہستہ سب کچھ میں نے ساریکی تحولی میں دیکھا۔ لیکن سارا ان لڑکیوں میں سے تھی جو OCTO PUS کی طرح اپنے محبوب کو اپنی گرفت میں لے لیں چاہتی ہیں جو آدمیوں و خواتین کی طرح جیوانی لمبے میر نہیں ہو جاتیں۔ وہ میرے ان خیالات پر بھی پہنچ جاتا جاتے تھے۔ دراصل وہ میرے خیالات اور احساسات پر محکمنی کرنا چاہتی تھی۔

ہمیں وہ سب کچھ حاصل تھا جس کی کافی انسان ارزد کر سکتا ہے۔ ہمیں وہ محبت بھی حاصل تھی جس کی تمنا میں لوگ گھل گھل کر مر جاتے ہیں لیکن اس محبت میں بھی خرابی کی اک ہوت موجود تھی۔ اس محبت کو جڑ کانے کے لئے ہمیشہ اذیت کی دیاسلافی روشن کرنا پڑتا۔ سارے کھنڈے سنگ مر جیسے جسم کو انکار سے کی طرح دہلکنے کے لئے مجھے ہمیشہ اسے ذہنی ہٹور پر لپٹنے آپ سے کثر ثابت کرنا پڑتا۔ اُسے ایسے دکھ غصہ کرنے پڑتے ہیں پر وہ علیحدگی میں روکنے کی بدلت وہ اپنے آپ پر ترس کھلا کے مانے آپکو پر فیض بھجو کے۔ روئے بغیر وہ محبت کرنے کی اہل نہ تھی۔

یہی ہمارا اسلوب محبت تھا جسے میں نے مجبوری کے تحت اختیار کر لیا کیونکہ سارا اسکے پہنچنے کی اور کوئی صورت نہ تھی۔

میرا جی پاہتا کہ میں بازو بھر کر اسے اپنی گود میں بٹھا لوں اور اس کی ہنسی کی ٹہمی پر اپنا گال ان رکھ کر ہمیشہ کے لئے مخدوم ہو جاؤں۔ اسی طرح بیٹھے بیٹھے ہم دونوں پتھر کے ذمے میں بیٹھ جائیں اور ڈائنا مور جیسے تاپید جانوروں کی طرح ہمارا شما بھی ایسی نوع انسانی میں بوجائے جس کا اب سراغ بھی نہیں ملتا۔ ہم دونوں درسا نگحی کی طرح جڑتے ہوئے ناپیدہ جائز —

لیکن سارا اسلور فوکس کی طرح بے قرار سختی تھی۔ وہ کہ کہ پہنچیں کی طرح ہمیشہ ابتدیہ اور خوفزدہ رہ کر
خوش رہ سکتی تھی۔ وہ بغیر آنسوؤں کے محبت کا تصور ہی نہ رکھتی تھی۔

لے اپنے قریب لانے اور قریب تر رکھنے کے لئے میں نے اعلیٰ اذیت کا ایک ایسا باب کھول دیا،
جس کے انہاً میں میں خود بھی بے خبر تھا۔

”بنائیے کیا سوچ رہے ہیں آپ — آپ کے خیالات کے لئے ایک ہیمنی۔“

اسے اپنے کندھے پر ٹلانے کے لئے میں اپنے سابقہ مشق کی کوئی من گھرط داستان شروع کر دیتا
اس داستان کی حیثیت کے لئے مجھے ایسے یہی المفاظ تلاش کرنے پڑتے، ایسی ایسی تشبیہیں، ایسے ایسے استعارے
وضع کرنے پڑتے جن کو سن کر سارے کان جل اٹھتے۔ میں اس کے کان کی دو سے اپنے ہونٹ لگا کر کہتا:
”وہ وغیرہ کئے مجھے کی طرح مذہل تھی۔ اگر اس کے کندھوں پر چادر ڈال دی جاتی تو کرب سورہ
کی طرح یہ پناہ در حرف اس کے سینے اور سین کو پھیلتی اور باقی جسم کے کسی حصے کو نہ لگتی کیونکہ اس کا سیدہ اور
کوئی اس کے جسم سے بہت دور لٹکا ہوتے تھے۔“

سارا ادبی پلے ہم کی رڑکی تھی مجھے اس کا دبادپلا جسم پسند تھا لیکن یہ بات من کر اس پر عجیب کیفیت
طاری ہو جاتی اور وہ دکھ کے سانحہ اپنے بازوں پر ہاتھوں کر کہتی:

”اس کے بعد تو اس کے بعد تو آپ کوئی بہت بڑی لگتی ہوں۔
ہے نا.....؟“

میری جانب سے اب شدت کا اقرار ہوتا اور اس کی جانب سے شدت کا اکھار۔ اسی شدت سے
محبت کی شمع جل اٹھتی اور ہم والہ طور پر ایک دوسرے کی جانب بڑھتے۔ وہ میری پچھلی مجتوں کو جلد نکلے
لئے رجم کی دیوبی بھی جاتی اور میں اس سے اُلیٰ محبت قائم کرنے کے لئے پچھلی مجبواڑوں کو جلا جلد کرائے اپنے
پاس لاتا۔

سارے آنسوؤں نے اس کی اذیت پسند کیے ہماری محبت کو الجبار دیا۔ وہ چڑوں لیٹی رہی خدا جا
ان مخلوقوں میں اس کی نظدوں کے سامنے وہ بیٹے ڈانفرس کی قدر اور عورتیں گھومتی رہتیں جو مجھے مشق کر کر قیسیں

یا بدانی بدیضی اور موہبیوں پر آنسو بیایا کرتی تھی۔ بہ کہتی یہ، تیجا فی درہ ہم دونوں کے ائے عجیب درجہ
چوکے سارا کو کوئی دکھنے تھا اس لئے جب اس نے یہ دکھا ایجاد کیا تو اس میں خیل کے گرے سلسلے تھے۔

اپنے آپ پر ترس کھاتی صارا چہرہ مدوقی سا ہو چلاتھا، وہ یورپ میں رہنے کے باوجود کنوڑے
جسم اور کنوارے دل کی ماکت تھی۔ اسے کھو بیٹھنے کے نزوف نے مجھ پر عجیب کینیت طاری کر کرچی تھی۔ اب
ٹن میں اس کی بجت وائس نامار کراچی تھا اور دوسری جانب اسے لیٹا دیکھ کر مجھے اتنی کوفت ہوتی تھی
کہ سارے سمجھنے کی خواہش بھی باقی نہ رہی تھی۔ اسی تباہ میں، اسی کھینچا کھینچی میں شکلی پلاںگر کے بہتے
ہلتے ہوئے ہماری شادی کو چار ماہ گزر گئے۔ ہم کس قدر خطرناک کھیل کھیل رہے تھے اس کا ہمیں اندازہ نہ تھا
ایک روز میں فان شاد کا گردے والیں لوٹا تو سارا قالین پر اونہ ہی لیٹی تھی۔ قریب ہی امریق را لے
بکھر کتھے میں نیکڑی کی دیکھ جال سے تھکا ہوا تھا اور اسے اذیت دینے کے موڑ میں نہ تھا۔

میں نے فانلوں کو اس کے پاس رکھا اور اس کا چہرہ اپنی جانب موڑا۔ اس نے جدید ترین فرش کے
ستانڈ تازہ بال سیٹ کر دلستھے اور اس سے نیم کے پتوں کا کیلی کیلی خوشبو آہری تھی۔

”تیپ روہی ہو سارا —؟“

”چہ نہیں۔“ اس نے چہرہ پوچھ کر کہا۔

”تمہیں کیا تکلیف بے سارا —؟“

”کوئی تکلیف نہیں۔“ کوئی تکلیف نہیں۔ ”وہ انگریزی میں بولی۔ روٹے پھر دل پر مکرا
نے حسوب پیاؤں کا سامنٹ پیدا کر دیا۔

”خوش تو ہوں..... خوش تو ہوں نہیں..... میرے ساتھ..... کوئی اور بھی تو ہو اسی کھر میں۔
میں سارا اسرا دک..... کوئوں کی میں چلاؤں کے گھونٹے نہیں دیکھ سکتی..... مجھ سے تو وہی خوش نصیب
ہے..... اٹھے تو سیتی بے چاہے دھوپ میں بیٹھی ہے.....“

اس رات میں نے عجیب سانحہوں محسوس کیا۔ چیل کے گھونٹے کوئی نہیں بہنے کا دکھ! اسی احساس
تک پہنچنے میں نے سارا کو ایک دوسرے مکبل میں پہنچا۔ پھر اس کے خندھ سے پیرا پنے نینے سے لگا کر میں

گلو کے متعلق تباہیا۔ اس دن سارا کم آنکھوں میں ایک آنونجی سمجھ لایا۔ وہ بت جنی گلو کا ذکر سنتی رہی اور پھر تینیے پر اونچی لیرٹ کر سورہی۔ پہلے بار میری درست ان کا رویہ عالم پڑا۔ اس پر وہ محبت کا شدید لذہ نہ پڑا جو اسی باتیں سننے کے بعد اس پر پڑا کرتا۔ وہ ساری رات جب بھی جاگتی بند بندی آہ بھرتی اور پھر تیکھے میں منہ دے دیتی۔ پہلی بار جب بینے لے اپنا دکھ بیان کیا تو اس نے اس کا رد عمل قبول کرنے سے انفار کر دیا۔

وہ چار ماہ جب سارا گھر بھوقی تھی ہماری زندگی کے بہترین دن تھے۔ ہم دونوں آسانش کے پلے میں پوڑوں کتوں کی طرح میر جنی کے ساتھ ایک دوسرے پر تھوڑے سیان جملے پڑے رہتے۔ وہ سارا دن تپڑتے تپڑتے پائے، نہیں خنی فرائیں، اونڈنڈا ک قسم کی کڑتی اُن کے کیلے، چادریں بیٹی ارکنڈی سے مرٹھے ہوئے کرب پلاش کے ٹب، فلاں کے پوڑتے اور رنگ برلنے کھلونے خریدنے اور اس بچے کا کمرہ سجائنے میں مشغول رہتی جس کی آمد میں ابھی بہت دیر تھی۔ کئے اور دلی سارا زندگی میں پہلی بار اس قدر باعثی اور باروں نق زندگی بسرا رہی تھی۔ بچے کے کمرے سے نظر کر کے کھو دیں میں کئی بار وزن نوٹے والی مشکن پر چڑھ جاتی اور بامبار کرتی۔ پچھے ہفتے میرزادن ایک سو دس پونڈ تھا پورا آدھا پونڈ وزن بڑھ لے بے بن کا۔

بچکی کا نات میں کھو رہا میرے سختی کی من گھرست دانتا میں بھی بھول چکی تین کمیں کمیں بچے شک گز زنا رجب میں اس کی طرف نہیں دیکھتا۔ باہوت اودہ آنکھوں کی بھری سے خندیجا کرتی ہے۔ یہ جیسے تہار میں سوار مسافر درد پرست ہوئے جزرے کو دیکھاتے ہیں۔ ایک لمبے میں اسے پڑیا۔

تماری خیالات کے لئے ایک ہیتی۔

کچھ نہیں۔ میں دیکھ رہی تھی کہ تماری شیو بہت بڑھ گئی۔ تینیں دن میں تین مرتبہ شیر

کرنا چلپتے۔

پچھے نہیں بولو گی تو میں تمارے بے بن کو کمی نہیں اختاریں گا۔

وہ بے بن کا واسطہ درمیان میں برداشت نہ کر سکی۔ آہتر سے اس نے آنکھیں بند کر لیں اور کتنے

گئی ۔ پہنچنے میں گلزاری اب تک من کر مجھے یوں لگنے لگا ہے جیسے میرا تمہیں چاہتا ایک
ہے ۔ میں مدد..... نماری زندگی میں ہمیشہ روز آپ FUTILE EFFORT
رہوں گی ۔ ایسا گھوڑا جو فٹ آنے والے گھوڑے کی گردن کے ساتھ پہنچتا ہے ۔ میں بڑی
حاسدہ عورت ہوں ۔ میں نے زندگی میں آج تک کوئی چیز کسی کے ساتھ SHARE نہیں کی ۔

چھپلنے خیالات کو کسی پر غلط ہر کر کے اسے نہ مانت کی ہوئی۔ جھٹ انگریزی میں بولی:
لیکن اب تو میرے بی بونگا ۔ میں گلوکن کیا پر واکری ہوں۔ اپنے بی تو میں کسی ساتھ
Nہیں کروں گی..... کبھی نہیں..... کبھی نہیں ۔

دولت جو کچھ فریضت ہے وہ سب کچھ سارا کو میسر تھا۔ اسی نے دہ درست میرے احساسات اور
خیالات پر خلکانی کرنا چاہتی تھی اور، متنی کے اتنے سارے قصوں کے ہوتے ہوئے یہ بات ناگھن نتھی۔
میں سکھتے میں آگیا۔ اس سارے میں ناواقف تھا۔ وہ تو بڑی بے ضرر قسم کی بوجھندہ اٹھا سکنے
والی لڑکی تھی۔

ان روز میں سمجھ رہا تھا، اسی شادی میں تحریک کا کوئی ٹھام بھی چھپا ہوا نہیں ہے حالانکہ
اندر ہی اندر نیوجی یا مر پیارا میں لا ادھج ہو رہا تھا۔ شاید صورت حال مختلف ہوئی اگر ایک رات سارا
کی طبیعت اچانک خراب نہ ہو جاتی۔

باہر بارش کے آنکرتے۔ سارا آتشدان کے پاس میٹھی زم اون کے ساتھ لمبو تری سی ٹپن بن
رہی تھی۔ پہلے وہ کروٹیں بدلتی رہی بچھر نہیم دراز ہو گئی اور جب اس سے برداشت کرنا مشکل ہو گیا تو
وہ لب کھائے اور مٹیاں بھینپنے لگی۔

”کسی طبیعت ہے سارا؟“

وہ خاموش رہی۔

”تم ٹھیک تو ہمارا ۔“

وہ آنسوؤں سے بہت قریب تھی۔

"میں ڈاکٹر کو بلاوں ۔۔۔؟"

میری باقون کا جواب دیتے بغیر وہ چپ پاپ کرے سے چلی گئی۔
جب میں تعابت میں خود کی دیر بعد اس کے کرے میں پہنچا تو وہ ڈرینگ کش میں کے سامنے مجھی
میک اپ درست کر رہی تھی۔ مجھے دیکھ کر اس نے پرس اٹھایا اور آہستے کہا ۔۔۔ "کارنک لئے۔
مجھے ہسپتال جانہ ہے۔"

اتھا سرخ پپ شک اور الیکٹرولیکی سرخی کے باوجود اس کا چھرو سفید ہو رہا تھا۔
سارا ۔۔۔"

جلدی چلئے۔ میں اور میرا بچہ ۔۔۔ ہم اکیدہ مر سے رخصت ہونے والے ہیں:
میں اسے بازوؤں میں کے کربولا ۔۔۔ اچا ہے سارا ۔۔۔ تمہارے ہاں کبھی بچہ
نہیں ہونا چاہئے ۔۔۔ کبھی نہیں ۔۔۔ کبھی ۔۔۔ میں تمہیں کسی کے ساتھ
نہیں کر سکتا۔"

اسفاراٹل کے دوسرے دن جب الجی اس کا چھرہ ANESTHESIA کے اثرات تک
تھا، ہم دونوں ملاقا تیوں کے اوقات میں ملے۔ دونوں خاموش تھے۔

بڑی دیر سیہ خاموشی طاری رہی۔ پھر وہ آہستہ بون: اپ کو ڈاکٹر نے بتادیا ۔۔۔؟
ہاں ۔۔۔

"چھر؟ ۔۔۔"

"پھر کیا ۔۔۔ کچھ نہیں ۔۔۔"
وہ آہستہ آہستہ روئے گئی ۔۔۔ "ڈاکٹر کم از م د چار دن ٹھر رکھ جسے بتا سکتا تھا... ۔۔۔
پہنچیں تعلیم یا فٹر لڈ کی کو لوگ اس قدر پھر دل کیوں سمجھتے ہیں ۔۔۔ یہ کیوں نہیں سمجھتے کہ شاید
وہ بھی ان پڑھ جاں عورت کی طرت ADJUST ہونے کیلئے وقت چاہتی ہے ۔۔۔

سارا — مجھے پوچھیں چاہئے — امیر گھر نے میں بچہ ہمیشہ تھا میں کاشنکار ہو جاتا ہے۔

بجیب عجیب COMPLEXES چمٹ جلتے ہیں:

و خاموش ہو گئی۔

پرست کی خوبصورت سے بھل بڑا مبارود قند طاری رہا۔ پھر وہ مسکرا کر بولی:

آپ کو کھو یاد آ رہی ہے ناں — وہ صحت مند لڑکی تھی۔

بیسپال سے واپس آ کر سارا اکراچی چلی گئی۔ اس کی صحت اتنی مکر بچی تھی کہ ڈاکٹر دل کے مشورے

کے پیش نہ میں مدافعت نہ کر سکا۔ سارا کے جانے کے قریباؤ دہنے بعد مجھے اس کا خط ملا۔ ساتھ

ہی اس کے دلکیں کا خط بھی ماغون تھا جس میں خلع کے جبلہ کو انف اور شر انف لکھی ہوئی تھیں۔ سارا کے

خط میں انگریزی میں متفہم تھا:

میں اڑا دی پایا ہیں جوں۔ کسی بانجھ عورت کو کوئی حق نہیں کر دے ایک بار اور مرد کے ساتھ

اپنی زندگی گزارے؟

اس کے بعد میں نے مصالحت کی بست کو شش کی لیکن سب بے سود۔ وہ مجھے ملنا نہ چاہتی تھی۔

وہ میرے خطوں کا بھواب نہ دیتی تھی۔ عرف اس کا دلکیں نہایت پابندی کے ساتھ میرے پاس ہیچ جانا تھا۔

طلاق ہموں کرنے کے بعد مجھے بھر خطا ساز سے لا اس میں لکھا تھا:

آپ کے پاس گلوکے۔ میرے پاس کیا ہے؟ بے بی کے وہ کپڑے جبیں وہ پین نہ کا

خدا جانتا ہے میں نے آپ کے سب AFFAIRS میں اور کبھی ایک وکیل مجھے ان عمر تک

پر رشک نہ آیا۔ اٹا میں نے ان پر ترس کھایا — لیکن گلوکے دبود کے ساتھ میں

سلیمیں کر سکتی۔ وہ اور میں ایک ہی گھر میں نہیں رہ سکتے — اس کے ہوتے ہوئے

میں ہمیشہ خود مار جوں گی” سارا

پتہ نہیں کیسے من گھوڑت اپنے اسے متاثر کرنے سے قاصر ہے اور ایک بالکل محوی مگر تباہ و افسد

ہم دونوں کے درمیان دیوار بن گیا۔ پتہ نہیں یہ عورت کی چھٹی جس تھی کہ میری بد نسبی — بہر کیف

میری زندگی میں صرف ایک عورت آئی اور باہم بھروسے چلی گئی۔

یہ ۲۵ کی بیانگے دنوں کا ذکر ہے میں ان دنوں کو اچھی میں ایک بڑے ہوٹل میں قیمتی تھا۔
بڑشہ جنگ کی وجہ سے کچھ معلقہ کا ہو چکی تھی۔ سارے شہر پر ایک جذبہ ایک ولڈ طاری تھا۔ اخراج اور
ریڈیو کے علاوہ اور کسی پھر سے تسلی نہ ہوتی تھی۔ میں سارا دن کمرے میں مقید رہتا اور سوچتا تھا کہ
کاش کوئی بہم اس ہوٹل پر لے گا۔ اور میں اس تمانے سے چھپکا راپلوں جو ہر لمحے مجھے شکنے میں کستی بتاتے ہے۔
کیا رہ سمجھ کروات کے پچھلے پھر میرے فون کی لگنی بھی کسی نہ مسمی اداز میں نہیں:

کیا آپ کہو نمبر گلارہ میں آئتے ہیں۔

”گلارہ۔۔۔!

”جی۔۔۔ ایک اور دو گلارہ۔۔۔ والا گلارہ۔۔۔

مجھے جانہ سے عجز پڑا۔ میں نہیں یاد کیں جو میں ہمیشہ شوق سے دیکھتا ہوں۔ ود جا سوی نہ لول
نا ہوں کے سامنے بھرنے لگے جن میں قتل دغارت کا باب ٹھہر رہتا ہے۔ جنگ کا زمانہ تھا۔ جی میں سوچ زندگی
کا تو فیسے ہی کچھ بخوبی میں کہاں کہ رہنے سے پہلے ایک نہم سے مجھے بھی دو چار ہوڑا پہنچے۔
تین بار کمرے میں دشک دیسنے کے بعد جب مجھے بیکن ہوا کیا کہ اندر ہزو روپی قتل کا داؤ ہو چکا ہے۔
تو میں نے اٹ جانے کے لئے تدارکوڑے۔ لفت مک پہنچنے کے بعد خدا جانتے ہوئے میں نے دو یادوں
بغیر دشک دینے میں نے کیدا۔ قتل عمل دیا۔

اندر سارا ڈبل ٹیڈ پر آئی۔ وہ لیٹی ہوئی تھی۔ لے دیکھ کر جانے کیوں میری بیٹی تیرنے پڑتے ہیں۔

”سارا۔۔۔!

”ہوں۔۔۔

تمیں کیسے پتہ چلا کر میں یہاں ہوں؟۔۔۔

میں نے تمیں افٹ سے اڑتے دیکھا تھا۔۔۔ کل شام۔۔۔ وہ اسی طرح لیٹی رہی۔۔۔

کر کے میں اتنی ساری خوبیوں کے باوجود اڑو دے نیم کے پتے تیر رہتے تھے۔۔۔

"تماری نئی شادی کیسی رہی؟"

"۶۰—۶۰— وہ آہستہ سے انگریزی میں بولی۔

"تمارے میاں کماں ہیں۔"

"سو نزد لینڈ گئے ہیں کسی پینک سے گفت و شنید کرنے

"اچھا—پھر؟—"

"اگر جنگ نے کوئی مشتبہ صورت اختیارہ کی اور ہمارا انہی پاکستان سے باہر بیٹھا گیا تو ان کی زندگی اجیرن ہو جائے گی۔"

"تم نے مجھے کیوں بنا�ا ہے۔ میرا تو سب کچھ پاکستان میں ہے اور میں تو اپنا پینک بلنس کہ تبدیل نہیں کرنا چاہتا۔"

اس کی سُکھا ہوں میں بڑی شوخی دعوت تھی۔

"مجھے ڈر گلتے ایکلے—"

اس کے سُکھرے کو دیکھ کر..... ایک دبی تی سکی میرت بیسے میں اٹھی۔ میں اس پر تھا گیا اور اسے چھوٹے بغیر بولا—"تمیں معلوم ہے سا اکھ..... نہ تم سے پڑے اور نہ تمارے اسی زندگی میں..... صنو میں نے کمیونی کسی عورت کو چھوڑ کر نہیں دیکھا۔ اور تم جانئو۔ اس کی وجہ کیا تھی؟"

"نہیں۔"

جب دیکھیں مجھے بلا قیمت لگئی تو میں نے خود اپنے آپ کو خود کر بیا۔ وہ انسان اس اخراجی کے بغیر خوش نہیں رہ سکتا۔ یہ احساس خوشی سے زیادہ ضروری ہے۔ میں عورتوں کو خریدنے نہیں تھا۔ خرمی ہوئی عورت کے احساسات اور خیالات پر چھایا نہیں جا سکتا۔ اس کی آنکھیں مٹتی پلی گئیں۔

"مجھے تمارے سوا اور کسی عورت سے محبت نہیں ہوئی بہت سی تھی۔"

اُور گلو...“

وہ تو تازہ ہوا کا جھونکا تھی۔ زندگی کا اولین احساس تھی۔ اس نے مجھے حرف زندہ رہنے کا

چلن سکھایا تھا۔“

وہ امر پہن ایک میرسوں کی طرح نالگوں کو بل دے کر بیٹھ گئی۔

اگر ایک پینی ہو تو میں تمیں بتا دوں کہ اس وقت میں کیا سوچ رہا ہوں۔“

اس نے ہنکاشا مر جلا دیا۔

”میرا یہاں اتنا مضمود نہیں کہ وہ سوں کے گھروں میں آگ لگانے سے اجتناب کر سکے میں پوت،
کے بلائے ہوئے قانون کا بھی ایسا احترام نہیں کرتا کہ ایک معقول طلاق نے کو کاہبیت دے سکوں۔“

سارا کامیڈا احسان گناہ کی لذت سے قن گیا۔ مجھے وہ پہلی بار اتنی خوش نظر آئی۔

”سبھی کبھی تہنائی میں سوچتا تھا کہ اگر سارا بخہلی، اگر وہ کسی دوسرے کی یوں بن کر بخہلی تو
کیا اس کام میرے نے اجنبی ہو سکے گا۔ کیا میری نگاہیں کپڑوں کے کارپار نہ دیکھ سکیں گی۔ کیا ہماری نگاہیں
اس خلوت کی غمازی نہ کریں گی جو تم دونوں کے درمیان ایک بوسے کے طرح شیر میں رہی ہے۔“

سارا کام پنپنے لگی۔

”کیا ہم ایک دوسرے کے لئے کبھی بھی اجنبی ہو سکتے ہیں۔ کیا ہم ایک دوسرے کو نہیں جانتے،
نہیں پہپلنے...!“ وہ خاموش رہی..... ”میں نے صدیوں لی تہنائی کافی ہے اور تم نے سارا
مجھے باعثت ہوئے کا کیا اصلہ دیا۔ میں جانتا ہوں تم نے مجھے یہاں کیوں بدل لیے۔ تم احسان گناہ پیدا
کرنا چاہتی ہو۔ جب تک تمیں کوئی غم اور رہی اندرونی خیال نہ کرتا رہے تم خوش نرہ سکوگی۔“

اس نے نظریں بھکالیں۔

”تم اور میں..... اور ہمارے جیسے سب امیرادی..... ہم من دلویٰ حلقت کا شے تئں
آپکے میں۔ ہمیں خوش رہنے کے نئے غم چاہئے لیکن یہ غم بھی ہمارا خود ساختہ ہونا چاہئے۔ اس پر ہمارے
ذاتی کارخانے اپنے مل کی نہ رہیں چاہئے۔“ امیرادی ۱۱۱۲۶-SI-LI کے بغیر زندہ نہیں رہتا۔

.... اتنی ساری آسانیں، اتنی ساری راحتیں وہ کس کھاتے میں ڈالے کیسے زندہ ہے
ان کے ساتھ۔ لیکن تم اسی مشتبہ زندگی کی نفحی کرنا چاہتی ہو:—
سارا گھبرا کر کھڑی ہوئی۔

”آپا کبادنہ اور بایجیا خورت ہو..... خوش رہنے کے ساتھ ایک دلخواہ پانا چاہتی ہو.....
اساں گناہ کا دلخواہ..... برف اس کے بوتے ہوئے تماری نعمتیں جانش ہو سکیں گی۔“
یکدیں میں نے اپنے جلتے ہوئے ہوتے اس کے لئے پر رکھتے ہوئے تھا — ”اور میں تمیں
خوش نہیں دیجنا چاہتا یہ نکمیں نے تم سے محبت کی ہے۔ جو دلخواہ میں نے اپنے لئے وضع کیا ہے اس
کا تعاقب نہیں ہے کہ تم اپنا سمجھ دلخواہ کیسی تلاش نہ کر سکو۔“ تم بھلکتی رہ گئیں کی تلاش میں اور
غم قدم سے کریں اس میں۔“

وہ دروازے کے سامنے بازو دھیلا کر کھڑی ہوئی:
”نمٹ جاؤ..... مجھے ڈر لگتا ہے۔“

”مجھے جلنے دوسرا — مجھے بھی جیسے کا حق پہنچتا ہے — میں بھی تماری طرح امیرادی
ہوں۔ مجھے تی اپنی خود ساختہ دلخواہ ہے..... میں خود اپنے آپ کو خود رکھ کر — بلا دلچسپی پر
باہنگی لئکار خوش رہ سکتا ہوں۔ میرے لئے اس کے ملا دہ اور کوئی راستہ نہیں۔ یہی راخود ساختہ نہیں
اس کے بازو دھیلے پڑ گئے۔“

”میں بھی دلخواہ کا ہی اس تو تاپانا چاہتا ہوں۔ میں بھی احساس شکست اور احساس محرومی کی تلاش
میں ہوں۔ میں بھی اپنے فرست کے لمبوں میں اپنی خوشیوں کے بازو گود گود رہاں میں بچتا ہوئے کام مردہ
بہرنا چاہتا ہوں۔ میں بھی بڑا ہی تمادوں میں سفر کرتے ہوئے سوچا کر دوں — سب کچھ مجھے سے باشت ہے
وہ رجھا۔ میں ہاتھ بڑھاتا تو سب کچھ میری گرفت میں ہوتا۔ میں امیرادی ہونے کے باوجود بہارا در بامحت
آدمی تھا..... کیسی دلکھی بات..... تم مجھے سے میرا دلکھ کیوں چھیننا چاہتی ہو — جلد دلکھ کے
بغیر خوشی کا احساس کیوں ہو۔ جلد دلکھ کے بغیر زندگی کا احساس کیوں خڑا؟“

اپنی سڑکہ بیوی کے مشق کرومال والی جیب میں میں سینے کے اوپر کھر میں باہر نکل آیا۔
 اب مجھے مت کی خواہش نہ رہی میں خوش تھا۔
 وہ دیر میکنے گئی میں جلتے ہوئے مکہنی رہی۔
 پہلی باراں کے چہرے پانسونوں کے باوجود خوشی چھلانگ تھی —
 وہ جیسے کافرینہ سیدھی پچھی تھی — جس خود ساختہ غم کی اسے تلاش تھی وہ اس کے لمبیں پرانیں
 کی ہمراگا چکا تھا!



کی اداسی میں نیا چاند ملکوں ہو رہا ہے۔ کوتے بھی بھی تھاروں میں پیکے فرزوں زندگ کے سامان پر
گھروں کو لوث رہے، میں چڑیاں سونے سے پسلے ایک بارہ ہلما کو درختوں میں شور مچا رہی ہیں کار
بستی چلی جا رہی ہے۔ سانسے تم اپنے شوہر کے ساتھ بیٹھی ہو۔ تمہارا چہوں کھلی گھوڑکی کی لاف ہے تمارے
بال تیز ہرا میں سیٹ پر اکندھوں پر ایک گر داب کی شکل میں بھر رہے ہیں، سمت رہے میں
تم نے چاند کو دیکھ رہی ہو۔ چپ چاپ۔ تمہارا شوہر پوری نظر کے ساتھ مڑک کو دیکھ رہا،
کار کی دیل پر اس کے بالوں سے بھرے ہوئے بازوں میں اور انسیلی ریڑ پر اس کا پاؤں ہے۔ وہ جب
چاہے اسے دبا کر کار کی رفتار تیز کر سکتا ہے۔ مجھے یوں لگتا ہے گویا اس کا پاؤں تماری دلوں
چھاترتوں کے درمیان میں وہاں پڑ رہا ہے جہاں تمارا دل ہے۔ وہ ہلاکا ساد باؤڈال کر تمارے ول کی
رفتار تیز کر سکتا ہے۔ لیکن وہ بہت محاط ڈرایوور ہے۔ وہ اپنی کار، اپنی بیوی، اپنی
نوکری، اپنے ملنے والوں پر کسی بھی زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔ تمہارا شوہر بھی چپ ہے
لیکن اس کی چپ DEAD SEA سے مشابہ نہیں۔ اس میں ایک دھکی ہے۔ ایک چلنگہ ہے۔

یہ ایک فائٹ کی چپ ہے۔ ایسا فائٹ جو اپنی خاموشی بھی کسی کے ساتھ بانٹانا نہیں جانتا۔

کار کی بیان جل اٹھی میں۔ نیا چاند دیکھ کر تم نے ایک بار بھی پلٹ کر اپنے شوہر کا چہرہ نہیں
دیکھا۔ کوئی ناکل نئی درانی کی شکل کی آرزو تمارے دل میں خون ہونے کو نہیں اٹھی۔

تم چپ ہو۔ اپنے شوہر کی وجہ سے۔ نئے چاند کی وجہ سے۔ اور میری
وجہ سے۔ تم اس لئے چپ ہو کر تم اپنے اندر کی عورت کو چپ کر رہی ہو۔ تمہیں خوف سے کہ
کہیں وہ نے چاند کے حضور ایک شوہر کے ہوتے ہوئے کوئی آرزو نہ کر رہی تھے۔

میں تم دلوں کے چیخے کا دین بیٹھا ہوں۔ شام پولپر کے درختوں کا رہگ میلا کئے
رہی ہے لیکن بھی ممکن ہے اپنی وجہ پر کچھ نہیں آتا رہے۔ میں بھی شیشے سے باہر دیکھ
رہا ہوں اور ہر آنونسو جو میری گال سے اتر کر، میری واش اینڈ دیر پیکون سے چصل کر پائیڈ ان پر گرتا
ہے، اس آنسو سے پاک جپتے تھے میں ایک تھا آدم پولپر کا درخت الگ آتا رہے۔

نہن کے قطاروں میں دونوں طرف پورپکے درخت یونہی آگ آئے ہیں۔ یہ فریاد کنال چپچپ
سے سیدھے سادے فریادی میرجھے آنسوؤں کی بارش سے ایجاد ہوئے ہیں۔

تماری دونوں چھپٹی چھپٹی بچیاں ڈالیں سیٹ پر رکھے سفر سے نہ تعالیٰ چپ چلپ بیٹھی
ہیں بڑی بچی نے من میں انگوٹھا لے لیا ہے اور وہ مطمئن ہے کہ اس وقت ماں اس کی جانب پشت
کے بیٹھی ہے اور اس کے اس فعل پر لے ٹوک نہیں سکتی۔

کاش مجھے بھی انگوٹھا چھپٹے کی عادت ہوتی۔ پھر میں تماری سپاٹ بگانوال دال بچی کی طرح
اندھیوں میں اتنائیوں میں اور گئی شاموں کے وقت، اگر میوں کی ڈھلتی سہ پر نکے لئے بڑی خوشی سے
گزار سکتا۔

تمہیں یاد ہے فاطمہ! ایک بار تم نے کہا تھا:

”آپ مرد ہو کرتی جلدی روکیوں پڑتے ہیں“؟

یہ بت سال اُھر کی بات ہے — الجی تماری قیضنِ حکملی شروع نہ ہوئی تھی اور تمہارے

جسم میں عورت پن نہ آیا تھا۔

”میں ہر کسی کی بات پر تو نہیں روپڑتا۔“

”میرا خالب ہے جب آپ بڑے ہو جاتیں گے تو پھر ایسا نہیں ہو گا۔“

دیکھو لو پورے بارہ برس گزر گئے۔ ہر چیز میں فرق آگیا۔ تمہارے کپڑوں کا ناپ بدل گیا۔
مری عینک کا نہروہ نہ رہا۔ لیکن تمہاری باتوں پر، تم سے متعلق باتوں پر — تم سے پچھڑے دالی
باتوں پر اب بھی مجھے رہنا آ جاتا ہے۔ میں جو لپٹے باپ کی ہوت پر نہیں رویا۔ تمہارے تیوں بدل جانے
پر یوں بدل بدل کر رکھنے میں ناک گھیر دکھیر دکھیر کر روایا کر اب تک، نسبت روڈ کے چوک کا وہ درخت
شاداب کھڑا ہے جس کی چھاؤں میں ہماری جویی ہوا کرتی تھی اور جس جویی میں یوں بے دھڑک میرے
آنسوؤں کی بارش بروتی رہنی تھی۔

اسی نسبت روڈوں لی جویی کی تیسری منزل پر ایک چاند رات کر مجھے معلوم ہوا تاکہ دنیا میں کتنا

اندھی رہا۔ اس سے پہلے میں بھی ہر مردوں کی طرح یہ سمجھتا، جاتا اور محروم کرتا تھا کہ دنیا کی ہر عورت صرف میرے لئے بنی ہے، میں اس کے جسم کے جسم کے سچے پرانا تھا کہ کہندوں گاہہ انک بہیشہ بہیشہ میرے ملے کے لئے زستا زیب نہ تھا ہے گا۔ تمہارے متقلعی تو مجھے کبھی وہم بھی نہ ہوا تھا کہ تم میرے علاوہ کسی اور سے بھی محبت کر سکتی ہو گی۔

جب تم ہمارے گھر میں داخل ہوئیں تو سب تمیں کا پنجکے بر قب کی طرح سنبھال سنبھال کر اٹھا بھا رہے تھے۔ گوئیں کئی برسوں کے بعد تمہیں ملا تھا لیکن مجھے پورا یقین تھا کہ اب بھی تمہارے دل میں میری یادوں کے تھوڑے ٹوکرے ہوتے ہوں گے۔

"تم اپنی مانگوں پر چل نہیں سکتیں؟" — "میں نے تم سے موافی کیا۔
کاش چل سکتی" — "تم نے منقرا سا جواب دیا۔

بیار ہو؟

"تین سال سے" — "تم نے میری جانب پشت کر لی۔
اور مجھے یوں لگا جیسے آٹھ کا حصہ خاموش پنگ پر لیٹ گیا۔
کیا بیاری ہے؟"
پڑھنہیں۔"

میں چپ ہو گیا۔ حالانکہ میرا صرآن گفت سو لوں سے بخوبی لگا تھا۔
مجھے جلد ہی معلوم ہو گیا کہ تم اور تمہاری ای کراچی سے یہاں صرف علاج کے سلسلے میں آئی ہو۔
ایسا علاج جو تین سال سے جاری تھا۔ تم لوگ تیری منزل میں ٹھہرے تاکہ کھلی اور تازہ ہوا کھڑکیوں
سے آئے اور ایک بار پھر تمہارے گاں مرخ و پسیدہ ہو جائیں۔ میں گھروں لوں کی جانب سے تم لوگوں کی
خدمت پر امور ہوا۔

اس طرح میں تمہارے ایکسرے اترانے میو ہسپیتال میں اینڈنائز کلینیک آتا جاتا تھا۔ تمہارے
بلڈ ٹرست کی روپیں، ایکسرے کی پیشیں، اسکوک، پیشتاب کے ٹیسٹ اب بھی میرے پاس موجود ہیں۔

اس علاج سے مایوس ہو کر تمدارے گھروں نے تمدارے لئے حکیموں کی طرف رجوع کیا۔ اب، ان گنت معنوں، متوالی غذا اور سرو میان اور کشته بننے لگے۔ ہر چیز کے حانے پسیں سے پسند نہ گرم مرد کی بخشش ہونے لگیں۔ مجھے اپنی طرح سے یاد ہے ان تمام علاجوں سے بے پرواہ تری میں منزل پر چار پانی والے سرشاہ ڈوبنے والے چاند کی طرح بے رنگ پرستی رکھتی تھیں۔

"فاطمہ —"

"بھی — ؟ تم چھوٹے بڑے، ملاؤ، حاکم سب کو اسی طرح جواب دیتیں۔

"ای نے تمدارے لئے لگا بھجلہ ہے؟"

"اس کی تاثیر گرم ہے کہ ٹھنڈی؟"

"پرتو نہیں —"

تم نے یکدم قاش کوڑے میں والپس رکھ دیا۔

"یاد آگیا اس کی تاثیر ٹھنڈی ہے۔ . . . میں نے جھوٹ بولا۔

تم نے لمبی سی کزڈرانگیکوں سے پھر گئے لمبی سفید قاش پکڑی۔ اس وقت تمداری ای اندھے سے آگئیں۔ کیا چیل صفت بورت تھیں تمداری امی بھی۔ ایک وقت میں ان کے حق سے ہیشہ دو اوازیں نکلتی تھیں۔ مثبت اور منفی ساقہ ساتھ۔

"گراما بھدار ہے ہو اسے۔ مر جائے گی یہ ایک قاش کھلانے کے بعد —"

تم نے ارادم سے قاش دوبارہ ٹڑے میں رکھ دی۔

"بیٹھا جو لانہ مانا۔" بھرا ہوئی پتلی اور موٹی آواز نکلی۔ "اس کی تاثیر گرم ہے اور حکیم صاحب

نے اگر چیز دوں سے منع کیا ہے بیکسر —"

میرا دل رکھنے کو تمداری امی بیٹھو کہ گراما کھانے لگیں اور تم نے اپنا چھوپرے کے کریا۔

حکیموں کے بعد ہو ہو پیچنک داکٹروں کا علاج شروع ہوا۔ اب ستم کی باری آئی:

"کے بارناں کھجلا — کیا سبھ پاڑیں میں چیزوں میان چلتی ہیں کہ شاہ کو — نصیل زیادہ

آتا ہے کم — آنکھوں میں جلن رہتی ہے رکھلی؟ —

لکھیر یا فاس اور لافی کو پوڈیم گھر کرنے لگی۔ تمارے پاس بیٹھ کر کوئی سمجھی سگریٹ نہیں پی میں آئیں تو میں سگریٹ پی رہا تھا۔ تم دروانے میں رک گئیں۔

”آئیے آئیے! میں نے سگریٹ بخواہ دیا ہے۔ آئیے۔“

کرے میں پھیلے ہوئے دھونیں پا چلتی تھی لگاہ ڈال رکم کرے میں داخل ہوئیں۔ عورت کسی بھی خوبصورت نہیں ہوتی۔ ایک لمحہ خوبصورت ہوتی ہے کہ اس گھری آسان پر قوس و قبض نہ لگتی ہے اور پھر ساری عمر مروے کے ذہن پر اس لمحے کی پیگ جھولتی رہتی ہے۔ تم تماں تز زرد بس میں بلوں تھیں۔ صرے پاؤں تک ہپانوی یکموں! سیاہ جپلی میں تمارے لئے لئے دب لے پاؤں یہاں سے نظر ہستے۔

”فاطمہ!“

”جی۔“! تمara مخصوص انداز تناہی۔ اس میں نہ استفسار تھا نہ ایسا باب، نہ پسندیدگی کا انعامہ تھسیں، عجب مردہ قسم کی انفعائی کیفیت تھی۔

”تماری بیماری ہے کیا؟“

”پڑنہیں۔“

”پھر جی۔“ کچھ تو پتہ ہو گاتھیں۔ آخر تین سال سے یہاں ہو۔

”یرقان ہوا تھا مجھے۔ تین سال ہوئے۔ جگہ بُدھ گیا ہے۔ بھوک نہیں لگتی۔“

”یہ سب تمہارا دم ہے۔“

”بُو سکتے ہے۔“

”تمیں کسی کے انعامہ محبت سے خوشی ہو سکتی ہے۔“

”ہو سکتی ہے۔“

میں انہارِ محبت کے لئے اخننا چاہتا تھا، ابو نا چاہتا تھا لیکن میری آنکھوں سے آنسو برلنے لگے۔ اور میں اشک کر عسلنگہ نے میں چلا گیا۔ ہاہر نکلا تو قم شہنشہن پر بیٹھی ہوئی اس اکتوبرے درخت کو دیکھو رہی تھیں جو حیلی کے ساتھ ساتھ تیسری منزل تک اچانک میرے آنسوؤں کی وجہ سے مگر آیا تھا۔

”یہ درخت یہاں پہلے تو نہ تھا۔“ قم نے سوال کیا۔

”نمیں۔“

”آپ مذاق کر رہے ہیں۔“

”نمیں تو۔“

”اتنا اوپنچا، ملبائچا درخت ایکسٹے میں تو مگر تیسری منزل تک نہیں آسکتا۔“
میں تمہیں کیا بتاتا کہ جہاں کہیں مجھ بھی ہے میں بھوکتے ہیں وہاں اسی طرح چھٹا رے
درخت خود بخوبی جپکتے ہیں مگر آیا کرتے ہیں۔ ایسے درخت بڑے قدر اور خوبصورت اور شفات
ہوتے ہیں۔ ان میں پریم جل کی آبیاری سے کوئی نہیں لفکتی ہیں۔

”آپ بہت جلد روپڑتے ہیں۔“

”میں؟— ہاں۔“

”مرد ہو کر۔“

”ہاں مرد ہو کر۔“

ہر موسم پہنچ کے بعد دوا اور سے تماری رالدہ کا دل بھر گیا۔ اب گھر میں تغیریں گذشت ہرنے لگے۔ بزرگوں کا پرچار ہنسنے لگا۔ کبھی قبروں کے طولنہ ہوتے کبھی سبدوں میں لگی کے چراغ بجاتے۔ انہی دنوں میں تمارے لئے ٹوپی ہے بازار سے ایک چلنگی کی لمبی زنجیر اور چاندی ہی کا کتنا بچہ نا تغیریز بناؤ کر لایا تھا۔

رات کا وقت تھا۔ بڑا اندازا میھرا تھا۔

لیکن مارے خدا معلوم کیسے راستہ نماش کر کے نکل آئے تھے؟

"فاطر !"

"بھی — ؟" وہ بے نیازی دہی بے تعلقی اور بھی حضوری کا اندازہ شکست۔

"تمارا تعویز آگیا ہے —"

"تعویز — ؟"

"یہ تعویز میں میاں میر کے ایک بزرگ سے بننا کر لایا ہوں —"

"میاں میر سے — ؟"

"انشاللہ اس کے پہنچتے ہی تم میک ہو جاؤ گی۔"

تمارے پھرے پرنا ایمڈی مکلاہٹ بن کر طروع ہوئی۔

"تم کسی سے حل کی بات کرنہ نہیں سکتیں فاطر — ؟" میں نے پوچھا۔

"کہہ سکتی ہوں۔"

" تو کہو نا !"

"پھر کبھی سمجھی —"

"ایجھی — ابھی —"

تم نے میرے اصرار کے جواب میں میری طرف پشت کر لی۔

"غفتگو کا سلسلہ خود بخود رک گیا۔"

مرون سوں ہوا میں ہمیشہ ایک خامی سخت کو اٹھتی ہیں۔ دریا ہمیشہ نشیب کی جانب اپنی تدشی جادی رکھتے ہیں — تمara سیالاب جانے کسی سخت کو روائی تھا؟

میں بہت دیر اصرار کرتا رہا لیکن پھر تم نے میری کسی بات کا جواب نہ دیا۔

میں نے زندگی کے چھترے بڑے گل چھترنے کے ہیں، یہ سارے عشق اپنی ذمیت کے اعتبار سے، اپنے کمیکل روڈ گل کے اعتبار سے بالکل ایک سے تھے۔ ان کی ایک انتہا تھی۔ بے اطمینان کی فضا میں ان کا نیچجے پڑا تھا۔ اٹھتے ہی ان میں کم لبر بھر پور حسینہ کا سا پہنچتے پن آگیا تھا۔ پھر ایک انتہا۔

کی فضا، زیادہ میٹھا کھانیئے کا گیفت۔ پھر جس طرح بے قراری کے انماریں عمدت برقراری جاتی ہے اسی طرح اب قرار اور فزار کی تلاش جاری ہوتی۔ رفتہ رفتہ خود بخود فنا میں تعین ہو جاتے۔ کبھی ان کا نام حادثات رکھ دیا کبھی تقدیر کبھی بے دنائلی۔ کچھ بھی راس نہ آیا اور کسی بات کا افسوس باقی نہ رہا پرانے کھٹ میں جیسے فینائل کی گولی باقی رہ جاتے، ایسے ہی یہ چھٹیں میرے پاس رہ گئے۔

فاطمہ کے ساتھ میرا عشقی ہر تجھزی سے بالاتر تھا۔ اس کی ہر بات پر جیسے میرا جو دل اس بوندی اائد ہے تو تا جو پتے کے آخری میرے پر لگتا ہے۔ اس کی معنوی بے معنی ہاتھی میرے دل میں بڑے بڑے بھنور پیدا کر دیتیں۔ فاطمہ کو خوش دیکھنے اور خوش کرنے کی ارزد میرے ہر فعل پر حادی ہو جاتی۔ میں اس سے انہار شقی کرنے سے تاحرر تھا۔ میری ساری مرمی اس کے حضور متفعل ہو جاتی۔ بچھوٹی سی دربی پتی لڑکی جس کا نہ چہرہ خوبصورت تھا، حسکم — الیکی لڑکی جو باہر کی بجائے ہر لحظہ اپنے نہ گزارتی تھی۔ اتنی بے ضرر اگر تھلک گئی مخلوق سے میں اس طرح مردوب ہوا کریا سیاہ مفتوح سفید فاماً حاکم کے درود رکھتا ہو۔

یہ تمارے کراچی روانہ ہونے سے دو دن پہنچے کا ذکر ہے۔ بڑی دو دھیا چاندنی چڑھی ہوئی تھی۔ چاندنی ہمیشہ کوئی نہ پر بھلی لگتی ہے۔ خاص کر جب یہ تیسری منزل ہوا اور اس تیسری منزل میں ایک فاطمہ رہتی ہو۔

تم پنٹ پر سب مادت آنکھیں کھولے پڑی تھیں لیکن ان آنکھوں نے ارد گرد کچھ بھی نہ دیکھنے کی قسم کھار کھی لیتی۔ تماری امی پاس سیٹھی ہوئی خربوزے کے نیچ کارہی تھی اور تم دونوں میں ایک ٹھاٹھا سا ایک رکار کا سامباڑھ پل رہا تھا۔

”میں کسی اور سے شادی نہیں کر سکتی۔ آپ جانتی ہیں امی۔“

”تیرا تو دماغ ات گیا ہے بد بخت —“ دو ادازوں والی امی بولی۔

”آپ جانتی ہیں اور پھر بھی مجھے مجبور کر رہی ہیں۔“

”لیکن وہ تو پر دلپر جائیٹھا ہے۔ اب اس سے امید ہے۔؟“